خروج عن المذہب اور عصر حاضر کے تقاضے: فقہ حنفی کے تناظر میں

ناصر الدین*

محمد ابراہیم**

Abstract

In the light of Quran, there are two types of people. One type is the people of knowledge and the other type is populace. The populace always takes guidance from the people with knowledge. When Islamic teachings were compiled, Islamic jurisprudence remained confined to only four jurisprudences; the Hanafi, the Malaki, Shafee, Hanbali, and the rest of the Jurisprudences ceased to exist. These four jurisprudences are basically different aspect of Islamic Shariat. All these four jurisprudence are true but to prevent people from following different jurisprudences as per their whims and whishes one particular jurisprudence is asked to be followed.In addition to that the people of knowledge have always decreed in association with another jurisprudences. Whenever a problem was confronted then the solution was sought from the other jurisprudence as well. Such an approach is called decreeing on other jurisprudences. However, such an approach has certain conditions. In our Hanafi jurisprudence, we have certain problems which need adopting such an approach. This research details out the conditions of giving a decree on other jurisprudences, in the light of the problems being face by Hanafi school of thought for which decreeing on schools have become mandatory..

Keywords: *Hanfi Jurisprudences, adoption, "Fatwa", Other Schools of Jurisprudence*

تمہید

آنحضرت ﷺ کے دور مبارک سے ہی یہ امت عام طور پر دو طرح کے گروہوں میں تقسیم رہی ہے ایک گروہ کو اہلِ علم کہتے ہیں اور دوسرا گروہ عوام کا کہلاتا ہے۔ عوام ہمیشہ سے ہی اپنے مسائل میں اہلِ علم سے رہنمائی لیتی رہی ہے اور قرآن کریم میں بھی اسی بات کی ہدایت موجود ہے:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۱)

اگر تم علم نہیں رکھتے تو اہلِ علم سے پوچھو۔

آنحضرت ﷺ کے دور میں صحابہ کرام براہِ راست درپیش مسائل میں آپ ﷺ سے راہنمائی لیتے تھے آپ ﷺ کے اس دار فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد عام صحابہ اہل علم اور اکابر صحابہ سے راہنمائی لیتے تھے اور پھر تابعین کے دور سے تدوین فقہ شروع ہوئی اور بالآخر کئی فقہی مذاہب وجود میں آکر ختم ہو جانے کے بعد چار مشہور مذاہب رائج ہوئے جیساکہ علامہ عبدالرحمٰن بن محمدؒ فرماتے ہیں:

*ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ ودینیہ، جامعہ ہزارہ، مانسہرہ

**لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ ودینیہ، جامعہ ہزارہ، مانسہرہ

"ووقف التّقليد في الأمصار عند هؤلاء الأربعة ودرس المقلّدون لمن سواهم. وسدّ النّاس باب الخلاف"(۲)

"اور تمام شہروں میں ان ائمہ اربعہ پر تقلید بند ہوگئی اور دوسرے ائمہ کرام کے مقلدین ختم ہوگئے اور لوگوں نے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا"۔

یہ چار مختلف مذاہب شریعت اسلامی کی مختلف تعبیرات ہیں شریعت انہی میں سے کسی ایک میں دائر ہے۔شریعت کو ان میں سے صرف ایک میں منحصر سمجھنا کھلی ہوئی غلطی ہے جیسا کہ مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں:

"فليست الشريعة منحصرة فى مذهب امام واحد بل كل مذهب جزء من اجزاء الشريعة وطريقة من طرق العمل بها وانما الشرع المنزل دائر بين سائر المذاهب ومن ظنّ آن الشريعة منحصرة فى مذهب واحد من هذه المذاهب فانه مخطئ بيقين"(۳)

شریعت ایک امام کے مذہب میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر مذہب شریعت کا ایک جزء ہے اور شریعت پر عمل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ شریعت ان سب مذاہب میں دائر ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ شریعت ان مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں منحصر ہے وہ صریح غلطی پر ہے۔

البتہ خواہشات نفسانی کی پیروی سے بچنے کے لئے عام عوام کے لئے کسی ایک مذہب کی تقلید اہلِ حل وعقد نے لازم کی ہے جیسا کہ علامہ عثمانی فرماتے ہیں:

"ان تقليد امام معين فتوى مبنية على سدّ الذرائع والمصالح الشرعية لئلا يقع الناس فى اتباع الهوى فان التقاط رخص المذاهب بالهوىٰ والتشهى حرام"(۴)

"ایک امام کی تقلید کا فتویٰ شرعی مصلحتوں اور سدّ ذرائع کی وجہ سے ہے تاکہ لوگ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ ان مذاہب کی رخصتوں کو خواہشات نفسانی کی غرض سے اختیار کرنا حرام ہے۔"

لیکن اس کے باوجود ہر دور میں مجتہدین کرام اپنے فقہی مذہب کے بجائے بوقتِ ضرورت دوسرے فقہی مذاہب کے اقوال پر فتویٰ دیتے آئے ہیں اور اس فتویٰ پر عمل بھی شریعت پر عمل ہی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ دوسرے امام کا مذہب بھی حق پر ہے۔

عصر حاضر میں فقہ حنفی کے بعض مسائل ایسے ہیں جن پر عوامی عمومِ بلویٰ کی وجہ سے دوسرے فقہی مذاہب کے اقوال پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ فتویٰ علی مذہب الغیر کی ضرورت واہمیت کو واشگاف کیا جائے اس کی شرائط ذکر کر کے اہلِ فتویٰ کی توجہ چند ایسے مسائل کی طرف کروائی جائے جن میں فتویٰ علی مذہب الغیر عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی ضرورت کی بناء پر تحریر کیا جارہاہے۔

اوپر کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ رائج چاروں مذاہبِ فقہیہ شریعت اسلامی کی مختلف تعبیرات ہیں، باری تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی شریعت ان چار مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت کو کسی ایک میں ہی تصور کرنا یقینی طور پر غلط ہے۔ اس وضاحت کے بعد اور اسی جہت سے بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ جب ایک مذہب کے مفتی کے لئے دوسرے مذہب پر فتویٰ دیئے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا۔ یہاں یہ سوال اذہان میں ابھرتا ہے کہ کیا اسلامی شرع اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ دوسرے مذہب کے کسی قول پر فتویٰ دیا جائے؟ اسی کو خروج عن المذہب کہا جاتا ہے اور خروج عن المذہب کے ذیل میں اگر تین امور کی وضاحت ہو جائے تو یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے اور وہ تین امور درج ذیل ہیں:

خروج عن المذہب کرنے والے شخص کی فقہی اہلیت وصلاحیت

- خروج عن المذہب کا مقصد
- مسئلہ مختارہ کا خلاف اجماع نہ ہونا

آنے والی سطور میں ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱) خروج عن المذہب کرنے والے شخص کی فقہی اہلیت وصلاحیت

اپنے مذہب سے خروج کے بارے میں سب سے ضروری امر یہ جاننا ہے کہ فقہی اعتبار سے اہل علم کی کتنی قسمیں ہیں۔ یہ اس لئے جاننا ضروری ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ خروج عن المذہب کن کے لئے جائز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے اہل علم (فقہاء) کے درج ذیل سات طبقات بیان کیے ہیں:

۱) **مجتہدین فی الشریعۃ:** وہ اہلِ علم جو قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے اصول وفروع کا استنباط کرتے ہیں۔ یعنی اپنے اجتہاد کے خود اصول بھی ادلہ اربعہ سے وضع کرتے ہیں اور انہی اصولوں کے تحت جدید وپیش آمدہ مسائل کا حل بھی نکالتے ہیں، جیسے ائمہ اربعہ (نعمان بن ثابتؒ، مالک بن انسؒ، محمد بن ادریسؒ، احمد بن حنبلؒ)

۲) **مجتہدین فی المذہب:** وہ اہلِ علم جو اصول میں تو کسی ایک امام کی اتباع کرتے ہیں لیکن جزئیات میں مجتہد ہوتے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں مسائل کا استنباط ادلہ اربعہ سے کرتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہؒ کے مشہور تلامذہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ

۳) **مجتہدین فی المسائل:** وہ اہلِ علم جو اصول وفروع دونوں میں اپنے امام کے مکمل طور پر پابند ہوتے ہیں لیکن منصوص مسائل کی روشنی میں غیر منصوص مسائل کا حکم تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے امام طحاویؒ وغیرہ

۴) **اصحاب تخریج:** وہ اہل علم جو مذہب کے مجمل اقوال کی تفصیل اور ایک سے زائد احتمال رکھنے والے اقوال میں سے کسی ایک احتمال کو متعین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے ابو بکر رازیؒ وغیرہ

۵) **اصحابِ ترجیح:** وہ اہلِ علم جو مذھب میں مروی دو متعارض روایات میں تطبیق وترجیح دے سکتے ہیں جیسے امام قدوریؒ اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ

۶) **اصحاب تمیز:** وہ اہل علم جو مذھب میں مروی صحیح وضعیف روایات میں فرق کر سکتے ہیں اور صحیح سقم میں امتیاز پیدا کر سکتے ہیں جیسے اکثر اصحابِ متون۔

۷) **مقلد محض:** وہ اہلِ علم جو سابقہ چھ درجات میں سے کسی درجہ کے حامل نہیں ہوتے یہ صرف پہلے لوگوں کے فتاویٰ نقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے موجودہ زمانے میں اکثر مفتیان کرام۔(۵)

یہ جاننا اہم ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد امت میں کوئی مجتہد مطلق نہیں گزرا۔احناف اور مالکیہ میں تیسری صدی ہجری کے بعد مجتہد فی المذھب کی صلاحیت کا حامل شخص وجود میں نہیں آیا جبکہ شوافع وحنابلہ میں نویں صدی کے آس پاس تک مجتہدین فی المذھب پائے جاتے رہے ہیں۔(۶)

خروج عن المذھب کے لئے درکار صلاحیت

درج بالا تقسیم اہلِ علم کے اعتبار سے ہے لہٰذا عام آدمی اس سے خارج ہے عام آدمی کی نسبت سے خروج عن المذھب کی بحث نہیں کیونکہ وہ مفتی کی رائے کا پابند ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وان کان عامیا اتبع المفتی فیه الاتقیٰ الاعلم۔" (۷)

اگر عام شخص ہے تو وہ علم و تقویٰ والے مفتی کے قول پر عمل کرے گا۔

لہٰذا گفتگو کا دائرہ کار ارباب افتاء ہیں۔ فقہ واصول فقہ کی کتب کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ خروج عن المذھب کے باب میں جن شرائط کو بیان کیا گیا ہے ان شرائط کی اصل وبنیاد، کسی اصل پر فتویٰ دینے پر ہے۔ کیونکہ خروج عن المذھب مسئلہ مختارہ میں دلیل کے اقویٰ ہونے یا پھر کسی ضرورت وحاجت کی وجہ سے ہوگا اور ان دونوں کا تعلق اصول سے ہے۔ چنانچہ ان اصول پر فتویٰ دینے کی شرائط ہی خروج عن المذھب کی شرائط بھی ہیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"مسئلة: افتاء غیر المجتهد بمذهب مجتهد تخریجاً علیٰ اصوله لا نقل عنیه ان کان مطلقاً علی مباینه ای ماخذ احکام المجتهد اهلا للنظر فیها قادراً علی التفریع علی قواعده متهنناً من الفرق والجمع والمناظرة فی ذلک بان یکون له ملکة الاقتدار علی استنباط احکام الفروع المتجددة التی لا نقل فیها عن صاحب المذهب الاصول التی مهدها صاحب المذهب وهذا المسمّٰی بالمجتهد فی المذهب جاز والا یکن کذلک لایجوز"(۸)

غیر مجتہد کا کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا اس کے اصول پر تخریج کرتے ہوئے، نا کہ مطلقاً اصل مذہب نقل کر کے (کیونکہ وہ تو سب کے لئے بلا شرط جائز ہے)، جائز ہے بشر طیکہ:

۱) وہ غیر مجتہد جو کسی مجتہد کے مذہب کی اصل پر فتویٰ دینا چاہ رہا ہے وہ اس مجتہد کے مذہب کے مصادر وماٰخذ سے بھی آگاہ ہو۔

۲) مجتہد کے مذہب کے مصادر وماٰخذ میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

۳) اس کی صلاحیت قواعد واصول سے جزئیات وفروعات نکالنے کی ہو۔

۴) ہم جنس مسائل میں فرق کرنے اور انہیں جمع کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

۵) اپنی رائے پر وہ مناظرہ کرنے کی قوت رکھتا ہو، وہ ایسی قوت ہو کہ صاحبِ مذہب کے متعین کردہ اصول وقواعد سے نئے مسائل، جزئیات وفروعات اخذ کرنے کا مکمل ملکہ حاصل ہو گیا ہو، لیکن یہ ایسے مسائل ہو جن کے بارے میں صاحبِ مذہب سے کوئی صراحت نہ ملتی ہو۔اسی کو مجتہد فی المذھب کہتے ہیں اور اگر اس میں یہ صفات نہیں ہیں تو اس کے لئے اصول سے جزئیات کا استنباط درست نہیں ہے۔

مذکورہ بالا عبارت یہ وضاحت کرتی ہے کہ اصول پر فتویٰ دینے کے لئے مفتی میں مذکورہ بالا پانچ شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے اور یہی مجتہد فی المذہب ہونے کا معیار بھی ہے۔البتہ علامہ شامیؒ نے اس میں طبقہ ثالثہ، رابعہ اور خامسہ کو بھی شامل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"والظاھر اشتراک اھل الطبقة الثالثة والرابعة والخامسة فی ذالک وان من عداھم یکتفی بالنقل۔"(۹)

اور ظاہر یہ ہے کہ اس حکم میں تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقہ والے بھی شریک ہیں اور ان سے نیچے والوں کے لئے بس نقل کر دینا کافی ہے۔

اس عام مفہوم کے اعتبار سے جب مجتہد فی المذھب کو اصول پر تخریج واستنباط کی اجازت ہے تو مذہب کے اصول وضوابط کے پیش نظر اگر اس صلاحیت کا حامل مفتی غیر مذہب اختیار کرے گا تو یقیناً اس کا قول قابل اعتناء ولائق توجہ ہوگا۔اسی بات کو علامہ آمدیؒ نے احکام الاحکام میں اس طرح بیان کیا ہے:

"والمختار أنه إذا كان مجتهدا في المذهب بحيث يكون مطلعا على مأخذ المجتهد المطلق الذي يقلده وهو قادر على التفريع على قواعد إمامه وأقواله، متمكن من الفرق والجمع والنظر والمناظرة في ذلك كان له الفتوى تمييزا له عن العامي، ودليله انقطاع الإجماع من أهل كل عصر على قبول مثل هذا النوع من الفتوى، وإن لم يكن كذلك فلا."(۱۰)

"اور مختار قول یہ ہے کہ اگر وہ مجتہد فی المذہب ہے اس طور پر کہ وہ جس مجتہد مطلق کی تقلید کرتا ہے کہ اس کے مآخذ سے واقف ہے اور وہ اپنے امام کے قواعد و اقوال پر تفریعات نکالنے پر قادر ہے ایسے ہی وہ اپنے امام کے اقوال و قوعد میں فرق و جمع، غور و فکر اور مناظرہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کے لئے فتویٰ (علی مذھب الغیر) دینے کی گنجائش ہے، اور یہ صفات اس کو عامی سے ممتاز کرتی ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس صلاحیت کے حاملین کے فتویٰ (علی مذھب الغیر) کو قبول کرنے پر ہر زمانے کے لوگوں کا اجماع ہے، اور اگر اس میں مذکورہ بالا صلاحیت نہیں ہے تو وہ فتویٰ (علی مذھب الغیر) دینے کا بھی اہل نہیں ہے"

معلوم ہوا خروج عن المذھب ہر ایک کا کام نہیں بلکہ مجتہد یعنی جس میں اجتہاد فی المذہب مذکورہ مفہوم کے ساتھ صلاحیت پائی جاتی ہو اور کم از کم مسئلہ مبحوث عنہا میں اس کی نظر اجتہادی ہو ایسا شخص ہی خروج عن المذھب کر سکتا ہے۔

لیکن یہ بھی واضح ہے کہ ہمارے زمانے میں اس طرح اجتہاد کی صلاحیت کا پایا جانا اگرچہ محال نہیں لیکن مشکل ضرور ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ اتباعِ ھویٰ کی بناء پر اس بات میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ جب تک چند متدین اور معتبر علماء کسی مسئلے میں خروج عن المذھب پر اتفاق نہ کرلیں اس وقت تک خروج کی اجازت نہ ہوگی جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"اس لئے اس زمانے میں اطمینان کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماء دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذھب غیر پر فتویٰ دیں بدون اس کے اس زمانہ میں اگر اقوالِ ضعیفہ اور مذھب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ھدم مذھب ہے۔" (۱۱)

۲) خروج عن المذھب کا مقصد

خروج عن المذھب کے باب میں دوسری اہم بات وہ امر ہے جس کی بناء پر اپنا مذہب چھوڑنے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج عن المذھب کا مقصد یا تو نیک ہوگا یا مذموم، یعنی قصد محمود ہوگا یا مذموم۔ قصد مذموم کے ساتھ کسی صورت بھی خروج عن المذھب کی اجازت نہ ہوگی علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"ولو ان رجلا برئ من مذھبه باجتھاد وضح له كان محموداً وماجوراً اما انتقال غيره من غير دليل بل لما يرغب من عرض الدنيا وشهوتها فهو المذموم الاثم المستوجب للتاديب والتعزير لارتكابه المنكر فى الدين واستخفافه بدينه ومذهبه" (۱۲)

"اگر کوئی شخص اپنے مذہب سے اپنے کسی ایسے اجتہاد کی وجہ سے نکل گیا جو اس پر واضح ہوا ہو تو یہ اس کے واسطے قابلِ تعریف اور اجر کا باعث ہو گا لیکن مجتہد کے علاوہ دوسرے کسی شخص کے لئے بغیر کسی دلیل کے بلکہ دنیاوی مفادات اور خواہش نفسانیہ کے حصول کی غرض سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا یہ قابلِ مذمت ہے، موجب معصیت اور لائق سزا جرم ہے اس لئے کہ اس نے دین میں ممنوعہ فعل کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے مذہب کے ساتھ استخفاف کا معاملہ کیا ہے۔"

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ خروج عن المذھب کا قصد محمود ہو گا یا مذموم۔ مذموم کی تو قطعاً اجازت نہیں اور قصد محمود کی درج ذیل صورتیں ممکن ہیں:

۱) مقلد مجتہد اپنی اجتہادی صلاحیت کی بناء پر مذھب سے خروج کر رہا ہے۔ یعنی وہ اپنے اجتہاد سے کسی ایسے نتیجے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اہلِ مذھب کا قول اس کے اجتہاد کی نظر میں مرجوح ہوتا ہے۔ مثلاً امام طحاویؒ کا دیگر احناف کے برخلاف فجر وعصر کے بعد رکعات طواف کے ادا کرنے کے جواز کا قول(۱۳)، علامہ ابن ھمامؒ کا وضو سے پہلے تسمیہ کے وجوب کا قول[۱۴] اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایسے قریہ میں جمعہ کی نماز کے جواز کا قول جہاں کم از کم پچاس افراد رہتے ہوں[۱۵]، اسی صورت کے ذیل میں آتے ہیں۔

۲) قصد محمود کی دوسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ عرف وزمانہ بدل جانے کی وجہ سے مذھب میں تبدیلی ناگزیر ہو جائے۔

۳) قصد محمود کی تیسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ ایسی شرعی ضرورت پیش آجائے جس کی بناء پر خروج عن المذھب کرنا پڑ جائے۔

چونکہ زیرِ نظر مقالہ کا اصل مقصود اس تیسری صورت سے متعلق ہے اس لئے یہاں اسی کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

شرعی ضرورت وحاجت کا پایا جانا

قصد محمود کی تیسری ممکنہ صورت میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی ضرورتِ شرعیہ پائی جائے جس کی وجہ سے خروج عن المذھب کرنا پڑ جائے۔ اس کی تفصیل میں ضرورت کو سمجھنا ضروری ہے۔

ضرورت کی اقسام

کتب اصول فقہ میں ضرورت کی پانچ اقسام ملتی ہیں:

۱) ضرورت بمعنی اضطرار: کسی امر ممنوع کو اختیار کرنا اتنا ضروری اور لازمی ہو جائے کہ اگر وہ اس امر ممنوع کا ارتکاب نہیں کرتا تو جان کے ہلاکت میں پڑنے کا خطرہ ہو۔

۲) ضرورت بمعنی حاجت: کسی امر ممنوع کے ارتکاب سے جان کے ہلاک ہونے کا خطرہ تو نہ ہو مگر ایسی سخت دشواری ومشقت میں پڑ جانے کا خطرہ ہو جو قوتِ برداشت سے باہر ہو۔
۳) ضرورت بمعنی منفعت: ایسی ضرورت ہو کہ جس میں نہ تو جان کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو اور نہ ہی ایسی سخت مشقت ہو جو کسی خطرے کا باعث ہو، صرف خواہش کو پورا کرنا مقصود ہو۔
۴) ضرورت بمعنی زینت: محض زیب وزینت کے حصول کے لئے امر ممنوع کو اختیار کرنا۔
۵) ضرورت بمعنی فضول: یعنی امر ممنوع کا ارتکاب صرف توسع کے لئے کیا جائے۔

ان مذکورہ پانچ اقسام میں پہلی درجے کی ضرورت سے کسی امر ممنوع کے اختیار کرنے اور اس کے ارتکاب کی گنجائش مل سکتی ہے لیکن اس سے نچلے درجے کی ضرورتیں حرام کے استعمال کے لئے مجیز نہیں بن سکتیں۔(۱۶)

لیکن ان اقسام میں سے دوسری قسم بھی کبھی پہلی میں داخل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام کا قاعدہ ہے:

"الحاجة تنزل منزل الضرورة عامة كانت او خاصة"(۱۷)

"حاجت کبھی کبھی درجہ ضرورت میں آجاتی ہے چاہے وہ عام ہو یا خاص۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصل ممنوعات کی اجازت صرف اضطراری حالت کے لئے ہے لیکن اگر کسی جگہ اہلیت رکھنے والے حضرات حاجت کو اضطرار میں شامل کرلیں تو اس سے بھی رخصت حاصل ہو جاتی ہے۔

ضرورت (بمعنی اضطرار) اور (ضرورت بمعنی) حاجت کے اثر میں فرق

اضطرار اور حاجت کے اثرات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اضطرار میں قطعی حرمت میں بھی قرآن کریم کی نص[۱۸] سے رخصت مل جاتی ہے۔ جیسے:

- حالتِ اضطرار میں بالشرائط مردار وغیرہ کھانے کی اجازت مل جاتی ہے۔(۱۹)
- گلے میں لقمہ اٹک جائے اور جان پر بن جائے ایسی حالت میں اگر سامنے شراب رکھی ہو اور پانی میسر نہ ہو تو جان بچانے کی غرض سے شراب کا گھونٹ پینے کی اجازت ہے۔(۲۰)
- اگر کوئی ایسی حالت میں مبتلا ہو جائے کہ کلمہ کفر کہے بغیر جان نہ بچ سکتی ہو تو اس کے لئے کلمۂ کفر زبان سے نکالنے کی اجازت ہے۔(۲۱)

جبکہ حاجت کی وجہ سے قطعی حرمت میں رخصت نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں اگر نص ظنی ہو تو اپنی شرائط کے ساتھ اس میں رخصت مل سکتی ہے جیسے:

- سونے کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے مگر حضرت عرفجہ بن سعدؓ کو آپ ﷺ نے حاجتِ شدیدہ کی وجہ سے سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی۔ یہاں حاجت کی وجہ سے نہی کا حکم مرتفع ہو گیا۔ فقہاء کرام نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔(۲۲)

- ریشم کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے لیکن چونکہ یہ حرمت اخبار احاد سے ثابت ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت قطعی الدلالت ہے تو حاجت کی وجہ سے میدانِ جنگ میں اس کے استعمال کی اجازت ہے۔(۲۳)
- عام احوال میں اجنبیہ کو دیکھنا ممنوع ہے لیکن حاجت کی وجہ سے بوقتِ خریداری باندی کو دیکھنا اور مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔(۲۴)

مذکورہ بالا امثلہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ حاجتِ شدیدہ کی وجہ سے ظنی حکم میں تسہیل اور رخصت مل سکتی ہے لیکن نص قطعی ہٹانے کے لئے ضرورت بمعنی اضطرار کا پایا جانا ضروری ہے۔

یہاں تک کی بحث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ حاجت شدیدہ کی وجہ سے فتویٰ علی مذھب الغیر کی اجازت ہوتی ہے لیکن یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حاجت کا تعین ہر فرد کی انفرادی رائے پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ ارباب وفکر ونظر کا اسے حاجت تسلیم کرنا ہی حاجت کہلائے گا۔ چنانچہ فقہائے کرام کی دی گئی رخصتوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ حاجت کیکی بنیاد تین چیزوں پر رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے حکم میں رخصت وتخفیف کا حکم کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

- حاجتِ عامہ
- عمومِ بلویٰ
- حاجتِ خاصہ

ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

۱)۔ حاجتِ عامہ

حاجت عامہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں رخصت نہ دینے کی صورت میں عام لوگ دینی اعتبار سے تنگی میں مبتلا ہوجائیں یا پھر رخصت نہ دینے کی صورت میں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ لاحق ہو۔ایسے احوال میں اس حاجت کو ضرورت کے درجے میں شمار کیا جاتا ہے اور ظنی دلائل پر مبنی احکامات میں تخفیف کردی جاتی ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت حاصل کرنا متقدمین احناف کے ہاں جائز نہیں تھا لیکن متاخرین نے اس کی اجازت دی، اس کی وجہ علامہ شامیؒ بیان فرماتے ہیں:

> "فافتوابصحته على تعليم القرآن للضرورة فانه كان للمعلمين عطايا من بيت المال وانقطعت فلو لم يصح الاستجار واخذ الاجرة لضاع القرآن وفيه ضياع الدين لاحتياج المعلمين الى الاكتساب"(۲۵)

"(متاخرین) فقہاء کرام نے قرآن کریم کی تعلیم پر اجارہ کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا کیونکہ پہلے زمانے میں اساتذہ کے وظائف اسلامی بیت المال سے مقرر تھے جو اب منقطع ہوگئے اب اگر تعلیم القرآن پر اجرت کے لین دین کو جائز نہ قرار دیا جائے تو قرآن کریم کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے اور اس میں دین کا ضیاع بھی ہے۔ اس لئے کہ اساتذہ معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کمائی کے محتاج ہونگے اور تعلیم پر توجہ نہیں دیں سکیں گے۔"

کسی اجنبیہ عورت کو دیکھنے کی عام حالات میں اجازت نہیں بالخصوص جب شہوت کا اندیشہ ہو، لیکن اگر کسی مسئلہ میں قاضی اور گواہوں کو اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا پڑ جائے اور انہیں شہوت کا اندیشہ بھی ہو تو ایسی صورت میں بھی اس عورت کو دیکھنے کی اجازت ہے کیونکہ اجازت نہ دینے کی صورت میں گواہی اور قضاء نہ ہونے سے لوگوں کے حقوق ضائع ہونگے چنانچہ حاجتِ عامہ کی وجہ سے اس کی اجازت کی دی گئی۔ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

"ويجوز للقاضى اذا اراد ان يحكم عليها وللشاهد اذا اراد الشهادة عليها النظر الى وجهها وان خاف ان يشتهى به للحاجة الى احياء حقوق الناس بواسطة القضاء واداء الشهادة۔"(۲۶)

"اور قاضی کے لئے عورت کے خلاف فیصلہ کرتے وقت اور گواہ کے لئے عورت کے خلاف گواہی دیتے وقت (عورت کو) دیکھنا جائز ہے اگرچہ شہوت کا بھی خوف ہو اس لئے کہ یہاں لوگوں کے حقوق قضاء اور شہادت کے واسطے سے حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔"

طبیب و معالج کے لئے مریض کا ستر دیکھنے کی اجازت بھی حاجت عامہ کی وجہ سے دی گئی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

"ويجوز للطبيب ان ينظر الى موضع المرض للضرورة"(۲۷)

اور جائز ہے ڈاکٹر کے لئے کہ وہ حاجت کی وجہ سے مریض کے مرض کی جگہ دیکھے (گو کہ ستر کی جگہ ہو)

۲)۔ عمومِ بلویٰ

عموم بلویٰ بھی حاجت عامہ ہی کا ایک دوسرا نام ہے البتہ اس کا اصطلاحی معنی یہ ہے:

"شيوع المحظور شيوعا يعسر على الملكف معه تحاشيه"(۲۸)

امر ممنوع کا اس طور پھیل جانا کہ مکلّف کے واسطے اس سے بچنا دشوار ہو جائے۔

فقہاء کرام نے فقہ میں عموم بلویٰ کو حاجتِ عامہ سے الگ ذکر کر کے اسے موجب رخصت قرار دیا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"المعلوم من قواعد ائمتنا التسهيل فى مواضع الضرورة والبلوىٰ العامة۔"(۲۹)

ہمارے ائمہ کے قواعد سے یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ضرورت اور عموم بلویٰ کے وقت سہولت دی جاتی ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ضرورت بمعنی حاجت کے وقت جو رخصت دی جاتی ہے اس کی دوسری بڑی وجہ عموم بلویٰ ہے۔ فقہ اسلامی میں بہت سے مسائل میں صرف عموم بلویٰ کی وجہ سے رخصت دی گئی جیسے:

چمڑے کے موزے پر اگر نجاست لگ جائے تو قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب تک اس نجاست کو دھونہ لیا جائے وہ موزہ پاک نہ ہو، لیکن چونکہ رستوں پر گندگی کی کثرت ہوگئی اور ان سے بچنا دشوار ہوگیا لہٰذا امام ابویوسفؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر موزے پر لگی تر نجاست کو مٹی سے پونچھ لیا جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو موزہ پاک ہوجاتا ہے۔ حالانکہ تر نجاست کو رگڑنے سے وہ زیادہ ہوتی ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

"وفی الرطب لایجوز حتی یغسله لان المسح بالارض یکثر ولا یطهره وعن ابی یوسف انه اذا مسحه بالارض حتی لم یبق اثر النجاسة یطهر لعموم البلویٰ" (۳۰)

جانوروں کا گوبر نجس ہوتا ہے لیکن اس کو سکھا کر ان کو بطور ایندھن استعمال کیا جانا اتنا عام ہوگیا کہ اس کی راکھ کو نجس قرار دینے میں حرج عظیم لازم آنے لگا کیونکہ اس کی راکھ سے روٹیاں پکانے کا رواج ہوگیا اور اگر اس کی راکھ کو ناپاک قرار دیا جائے تو ساری روٹیاں ناپاک ہونے کا حکم ہوگا۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ولایکون نجسا رماد قذر والا لزم نجاسة الخبز فی سائر الامصار وفی الشامی وان الفتویٰ علی هذا القول للبلویٰ فمفاده ان عموم البلویٰ علة اختیار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العین" (۳۱)

"اور نجس چیز کی راکھ ناپاک نہیں ہوگی ورنہ تمام شہروں میں روٹیوں کی ناپاکی لازم آئیگی (اس لئے روٹیاں پکانے میں گوبر وغیرہ کے اپلے کام آتے ہیں) شامی میں ہے کہ آجکل عموم بلویٰ کی وجہ سے فتوی اسی قول پر ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اصل میں ماہیت کے بدلنے کی بنیاد پر جس راکھ کی طہارت کے قول کو اختیار کیا گیا ہے اس کی علت عموم بلویٰ ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ امت کو گناہ سے بچانے کے لئے حکم میں تخفیف کا اصول حضرات فقہاء کے نزدیک مسلم ہے اسی کو علت عموم بلویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے البتہ یہ عموم بلویٰ ضرورت بمعنی اضطرار میں نہیں بلکہ ضرورت بمعنی حاجت میں داخل ہے۔ لہٰذا عموم بلویٰ سے بھی صرف ظنی اور اجتہادی حرمتوں کے احکام میں تخفیف ہوگی۔ حرمت قطعی کے ارتقاء میں عموم بلویٰ موثر نہیں ہوگی۔ چنانچہ سود کی حرمت قطعی ہے اور حدیث پاک میں آخری زمانے میں اس

کے شیوع کا بھی اشارہ ملتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے حکم میں تخفیف نہیں ہوگی اگرچہ اس میں لوگوں کا ابتلائے عام ہو جائے۔

۳)۔ضرورت خاصہ

ضرورت خاصہ شریعت میں احکام میں تخفیف کے واسطے تیسری بنیادی ضرورت ہے یعنی کسی فرد واحد کو ایسی ضرورت درپیش کہ رخصت نہ ونے کی صورت میں اس کی ذات کو مشقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو، اب یہ مشقت خواہ جانی ہو، خواہ مالی ہو یا خواہ طاعات وعبادات کی شکل میں ہو۔ تینوں میں یہ موجب رخصت بنتی ہے۔ ان تینوں کی بالترتیب مثالیں درج ذیل ہیں:

اگر کسی شخص کو نکسیر کا مرض لاحق ہو اور اسے بہت مشقت ہو تو اسے یہ مشورہ دیا جائے کہ خون سے پیشانی پر سورۂ فاتحہ لکھے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"فقال ولو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وانفه جازللاستشفاء"(۳۲)

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال شریعت میں ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے کوئی تیل وغیرہ سونے چاندی کے برتنوں میں رکھ لیا تو اب اگر اسے اس تیل وغیرہ کے استعمال سے روک دیا جائے تو اس میں مال کا ضائع کرنا لازم آتا ہے جو کہ مالی مشقت ہے، لہٰذا اسے یہ اجازت دی جائے گی کہ اس برتن سے کسی دوسرے برتن میں تیل وغیرہ ڈال لے یا ہاتھ میں لے کر استعمال کرلے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"ان وضع الدهن مثلاً فى ذالک الاناء المحرر لايجوز لانه استعمال له قطعا ثم بعد وضعه اذا ترک فيه بلا انتفاع لزم اضاعه المال فلا بد من تناوله منه ضرورة"(۳۳)

"ان تحریر شدہ برتنوں میں تیل جیسی کوئی چیز رکھنا تو جائز نہیں ہے اس لئے یہ بھی بلاشبہ اس کا ستعمال ہے لیکن رکھ دینے کے بعد اگر اس میں بغیر نفع اٹھائے چھوڑ دیا جائے تو اس سے مال کا ضائع کرنا لازم آئیگا۔ لہٰذا اس کو برتن سے نکال کر ضروری استعمال کرنا ضرورۃ ہوگا۔"

نماز میں کشف عورت ایک ایک چوتھائی سے زیادہ ہو جائے اگرچہ وہ تین تسبیحات کی بقدر کشف نہ رہا ہو پھر بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی کی ضرورت کی بناء پر ایسا ہوا تو اس وقت تک نماز کے فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ وہ اس کشف کے ساتھ ایک رکن ادا نہ کرلے۔ یہاں مبتلیٰ بہ کی نماز کو بچانے کے لئے حاجتِ خاصہ کا اثر عبادات میں ظاہر ہوا چنانچہ علامہ شامیؒ نے تاتارخانیہ کے حوالے سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے:

"والاشبه الفساد مع التعمد الا لحاجة كرفع نعله لخوف الضياع مالم تؤد ركنا كما فى الخلاصة"(۳۴)

یہاں تک کی بحث سے خروج عن المذھب کے قصد محمود کی صورتوں میں سے ضرورت بمعنی حاجت کی توضیح

ہوئی جس سے یہ بات واضح ہوئی کی حاجت عامہ، عموم بلویٰ اور حاجتِ خاصہ کے ذریعہ شریعت کے قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ یا ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ احکامات میں تخفیف ہوسکتی ہے۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جہاں بھی اضطرار یا حاجت پائی جائے وہاں ہی رخصت ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بھی مشروط ہے کہ اس رخصت کو اختیار کرنے سے کسی دوسرے ہم مثل شخص کا ایسا حق نہ مارا جارہا ہو جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ چنانچہ اکراہ کی صورت میں کسی دوسرے شخص کی جان لینا یا اس کا کوئی عضو تلف کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"لا یرخص قتلہ او سبہ او قطع عضوہ ومالا یستباح بحال"(۳۵)

قابل غور پہلو

اس ساری بحث کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک مذہب کی پیروی کرنے کا حکم نا تو نصِ قطعی سے ہے اور نہ ہی اس کی حرمت لعینہ ہے بلکہ تتبع رخص اور اتباع ھویٰ سے محفوظ رکھنے کے لئے مذہب بدلنا ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ اس کی حرمت ظنی الثبوت ہے لہٰذا نہ صرف اضطرار بلکہ ضرورت بمعنی حاجت کے وقت بھی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہوگا بشرطیکہ اہلِ علم علماء اس ضرورت کو اضطرار کے درجے میں تسلیم کرلیں چنانچہ حضرات فقہاء کرام نے ضرورت عامہ، عموم بلویٰ اور ضرورتِ خاصہ ان تین بنیادوں پر خروج عن المذھب کی اجازت دی ہے، جنکی توضیح درج ذیل امثلہ سے واضح ہوتی ہے:

- احناف کے نزدیک طاعات پر اجرت نہیں لی جاسکتی چنانچہ تعلیم قرآن و تعلیم فقہ اور اسی طرح اذان و نماز وغیرہ پر اجرت نہیں لی جاسکتی لیکن حاجت وضرورت کی بناء پر اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے اب علمائے احناف بھی اس اجرت کو جائز قرار دیتے ہیں۔(۳۶)
- اگر کسی جگہ پر باغ میں کاشت ہوئی فصل کو بیچا جارہا ہو اور ابھی کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ نہ نکلے ہوں، لہٰذا پھل پکنے تک بیع کے بعد فصل چھوڑنے کا عرف عام ہوجائے تو اگرچہ احناف کے ہاں یہ معاملہ جائز نہیں ہے لیکن امام مالکؒ کے اس مسئلہ میں جواز کے قول پر علامہ شمس الائمہ حلوائیؒ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۳۷) جبکہ علامہ شامیؒ نے اسی مسئلہ میں ضرورت وحاجت کو ثابت کیا ہے۔(۳۸) زمانہ قریب میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایسے معاملے کے درست ہونے کا فتویٰ بھی دیا ہے۔(۳۹)
- ایک ایسی عورت جو ممتدۃ الطہر ہو یعنی بلوغت کے بعد اس کو تین دن حیض آیا اور اس کے بعد حیض آنا بند ہوگیا اب اگر ایسی حالت میں یہ مطلقہ ہوجائے تو احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہوگی جو کہ اس کے ممتدۃ الطہر ہونے کی وجہ سے اس عورت پر نہایت ہی شاق ہے۔ البتہ امام مالکؒ اس صورت میں نو ماہ گزرنے کے بعد عورت کی عدت ختم ہونے کا مذہب اختیار کرتے ہیں۔ احناف نے بھی امام مالکؒ کے قول

پر فتویٰ دیا۔(۴۰)

- اگر دائن پر ایسی حالت آجائے کہ مدیون اس کا قرض واپس نہ کرتا ہو تو اپنے قرضے کے بقدر قرضے کی جنس میں سے مدیون کے گھر سے دائن کو مال چرانے کی اجازت ہے یعنی اگر وہ قرض کی جنس میں سے بقدر قرض مال چرالیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر وہ قرض کی خلاف جنس میں سے مال چرالیتا ہے تو احناف کے نزدیک اس پر چوری ثابت ہونے کی صورت میں قطع ید کا حکم ہوگا کیونکہ عند الاحناف اس کے لئے خلاف جنس سے مال حاصل کرنا درست نہیں۔ جبکہ اس بارے میں امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ دائن خلاف جنس مال بھی بقدر قرض لے سکتا ہے۔ متاخرین احناف نے دائن کے حق کے احیاء کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔(۴۱)
- اگر کسی عورت کا شوہر اس طور پر غائب ہو جائے کہ اس کی کوئی خبر نہ ہو تو احناف کے نزدیک عورت کو جب تک اس کے مرنے کا یقین نہ ہو جائے وہ عدت وفات نہیں گزارے گی اور یقینی علم کے لئے نوے سال کا عرصہ گزرنے کا قول احناف نے کیا ہے لیکن اس مسئلہ میں امام مالکؒ یہ قول اختیار کرتے ہیں کہ عورت چار سال گزرنے کے بعد عدت وفات گزارے گی۔ احناف نے ضرورت کی وجہ سے امام مالکؒ کے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔(۴۲)

درج بالا چند مثالیں ہیں جہاں علمائے احناف نے خروج عن المذہب کیا ہے۔ لیکن خروج عن المذہب کے لئے چند شرائط ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ خروج عن المذہب ممنوع ہوگا اور وہ درج ذیل ہیں:

۱) حاجت واقعہ شدید ہو اور ابتلاء عام ہو، ایسا حقیقتِ واقعہ میں ہو صرف اس کا وہم نہ ہو (کہ آگے چل کر ایسا پیش آئے گا تو ابھی سے ہم فتویٰ بدل دیں، یہ درست نہ ہوگا)

۲) مفتی اس بات کا یقین کر لے کہ ایسی حاجت پیش آچکی ہے اور اس کا دیگر اصحابِ فتویٰ اور اس میدان کے ماہرین سے مشاورت کے بعد ہی پتہ چلے گا۔ اس صورت میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایک مفتی، دیگر حضرات کے بغیر، تنِ تنہا فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ جتنی استطاعت ہو اتنی کوشش کرے کہ اپنے ساتھ دیگر علماء کے فتویٰ کو بھی شامل کر لے۔ خاص طور پر جب مفتی کا ارادہ ایسے فتویٰ کو وسیع پیمانے پر نشر کرنے کا ہو (تو اس کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے)

۳) مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ جس مذہب کے مطابق فتویٰ دینا چاہتا ہے اس کی خوب اچھی طرح تحقیق کرنے میں یقین اور احتیاط سے کام لے اس میں زیادہ اچھا طریقہ کار یہ ہے کہ اسی مذہب کے علماء سے مراجعت کی جائے اور ایک یا دو کتابوں میں مسئلہ دیکھ لینے پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کی کچھ مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں اور اس کے جداگانہ اسلوب ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان کی حقیقی مراد تک

صرف وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو اِن اصطلاحات اور اسالیب کو استعمال کرتا رہا ہو۔

۴) مفتی پر لازم ہے کہ جس قول کو اختیار کیا جارہا ہے وہ ان شاذ اقوال میں سے نہ ہو جو جمہور فقہاء امت کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس مسئلے سے منع کیا ہو۔

۵) مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ اس دوسرے مذہب کو اُن تمام شرائط سمیت لے جو اس میں معتبر ہیں تاکہ وہ ایک ہی مسئلہ میں "تلفیق" کا مرتکب نہ جائے۔(۴۳)

عصر حاضر میں تبدیلی مذہب کے متقاضی چند مسائل

درج بالا ابحاث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر ضرورت وحاجت ہو تو اپنی شرائط کے ساتھ تبدیلی مذہب جائز ہوتا ہے، ذیل میں چند ایسے مسائل ذکر کیے جارہے ہیں جن میں مقالہ نگار کے نزدیک ضرورت وحاجت پائی جاتی ہے اور عصر حاضر کے مطابق تبدیلی وتخفیف مذہب کی ضرورت ہے البتہ یہ مسائل اربابِ فتویٰ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ درج ذیل مسائل میں غور وفکر کر سکیں اور اگر واقعی ان مسائل میں وہ ضرورت وحاجت کو پائیں تو تبدیلی وتخفیف مذہب سے امت مسلمہ کے لئے آسانی کا فتویٰ صادر فرمائیں۔ چند مسائل درج ذیل ہیں:

اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نشہ آور شے استعمال کرے اور اس سے وہ نشے میں آجائے اور پھر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اس کی طلاق کو بطور سزا کا واقع کیا جائیگا تاکہ آئندہ کے لئے کوئی نشہ آور چیز استعمال نہ کرے۔ لیکن موجود زمانے میں نشہ آور اشیاء کا شیوع اس قدر ہوچکا ہے کہ اگر ایسے شخص کی بیوی پر طلاق واقع بھی کی جائے تو وہ نشہ آور اشیاء کا استعمال ترک نہیں کرتا اور اس طلاق سے دوسرے کئی اہم مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اسی مسئلہ میں احناف میں امام زفر، امام طحاوی، امام احمد سے ایک روایت کے مطابق اور شوافع میں سے مزنی اور عثمان و عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔[۴۴] اور حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی قول منقول ہے۔(۴۵)

اگر کسی شخص پر زبردستی کر کے اس سے اس کی بیوی کو طلاق دلوائی جائے تو احناف کے نزدیک یہ طلاق واقع ہوجائے گی جبکہ جمہور ائمہ کے نزدیک مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی[۴۶]۔ اس مسئلہ میں بھی فساد زمانہ اور ضرورت کی بناء پر جمہور کے قول پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ موجودہ دور میں اس سے کئی دوسرے مفاسد پیدا ہورہے ہیں جن کا نقصان ناقابلِ تلافی ہے۔

احناف کے نزدیک عورت مسافت شرعی میں بغیر محرم کے سفر نہیں کرسکتی اگرچہ اس کے ساتھ خاندان کی دوسری باعتماد عورتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ شوافع کے نزدیک ایسی صورت میں عورت مسافتِ شرعی سے زائد سفر کرسکتی ہے۔ احناف کے نزدیک ایسی عورت پر حج وعمرہ فرض نہیں ہوتا۔[۴۷] جبکہ موجودہ زمانے میں کئی مرتبہ ایسی ناگزیر

صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ عورت کو مدتِ مسافت سے زائد بغیر محرم کے سفر کرنا پڑ جاتا ہے جبکہ اس کے ساتھ بااعتماد خواتین موجود ہوتی ہیں۔اس مسئلہ میں بھی شوافع کے قول پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کے لئے شرعی طور پر کوئی سزا موجود نہیں ہے تو اس پر مالی جرمانہ نافذ کرنا اور اس سے مالی جرمانے کے وصول کرنے کے بارے میں احناف کا قول عدم جواز کا ہے البتہ سلطان کے لئے بعض شرائط کے ساتھ مخصوص حالت میں جائز ہے جبکہ امام مالکؒ کا مشہور موقف اس کے جواز کا ہے ایسے ہی امام احمدؒ کا مذہب بھی جواز کا ہے جبکہ امام شافعیؒ سے ایک روایت اس کے جواز کی بھی ملتی ہے۔(۴۸) موجودہ حالات میں کئی اداروں میں انتظامی طور پر مالی جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جس کا نہ لینا اب ناممکن ہو چکا ہے چنانچہ اس مسئلہ میں بھی حاجت کی شرائط پائے جانے کی وجہ سے دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہے۔

احناف کے نزدیک مس اور شہوانی نظر سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جس سے موجودہ دور میں انتہائی خطرناک اور ناقابلِ تلافی نقصانات ہو رہے ہیں جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک مس اور شہوانی نظر سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی بلکہ بعض کے نزدیک تو زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔چونکہ یہ مسئلہ بھی قطعی الثبوت نہیں ہے اور اس میں حاجت کی بھی تمام شرائط پائی جارہی ہیں چنانچہ کم از کم مس اور شہوانی نظر میں احناف کا موقف انتہائی سخت ہے جس میں دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہے۔

نتائج البحث

درج بالا مقالے سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

- ضرورت کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جبکہ تخفیف حکم میں صرف ضرورت بمعنی اضطرار اور ضرورت بمعنی حاجت معتبر ہیں۔
- ضرورت بمعنی اضطرار سے قطعی الثبوت ممانعت میں بھی رخصت مل جاتی ہے۔
- ضرورت بمعنی حاجت میں قطعی الثبوت ممانعت میں رخصت نہیں ملتی صرف ظنی الثبوت یا ظنی الدلالۃ ممانعت میں رخصت ملتی ہے۔
- شریعت اسلامی چاروں مذاہب میں دائر ہے۔
- بوقت ضرورت خروج عن المذہب کیا جاسکتا ہے۔
- موجودہ زمانے میں خروج عن المذہب کے لئے ارباب فتویٰ میں سے ہونا ضروری ہے۔بر بنائے احتیاط دوسرے اہلِ فتویٰ سے بھی مشاورت کرنی چاہئے۔
- مذہب سے خروج یا مذہب ہی میں رہ کر تخفیف کا حکم بوقت حاجت کیا جاسکتا ہے۔
- علمائے احناف مختلف اوقات میں ضرورت وحاجت کی بناء میں تبدیلئ مذہب کرتے رہے ہیں اس کے لئے

بسا اوقات خروج عن المذھب بھی کرتے رہے ہیں۔

- خروج عن المذھب میں شاذ قول کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔
- خروج عن المذھب سے بوقت ضرورت نہ تو کوئی ممانعت ہے اور نہ ہی کسی زمانے میں اس سے انکار کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱ النحل، الآیۃ: ۴۳

۲ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، ص: ۵۶۶، المحقق: خلیل شحادۃ الناشر: دار الفکر، بیروت الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م

۳ عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، اصول الافتاء وآدابہ، ص: ۲۰۲، الناشر مکتبۃ معارف القرآن کراچی، الطبعۃ: ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱ء

۴ ایضاً

۵ ابن عابدین، محمد امین بن عمر المعروف بابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ج: ۱، ص: ۷۷، دار الفکر بیروت، /ابن عابدین، محمد امین بن عمر، شرح عقود رسم المفتی، ملخص از ص ۲۷ تا ۳۴، مکتبہ الہند دیوبند

۶ لکھنوی، ابوالحسنات عبدالحیٔ، النافع الکبیر، ص: ۶، ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی

۷ ابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، ص: ۶۲

۸ ایضاً

۹ ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ج: ۱، ص: ۸۰

۱۰ آمدی، ابو الحسن سید الدین علی بن ابی علی بن محمد بن سالم الثعلبی الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج: ۴، ص: ۲۳۶، المحقق: عبد الرزاق عفیفی الناشر: المکتب الاسلامی، بیروت- دمشق- لبنان

۱۱ تھانوی، اشرف علی تھانوی، الحیلۃ الناجزۃ، ص: ۲۳، مکتبہ دار الاشاعت کراچی نمبر ۱، طبع اوّل ۱۹۷۸ء

۱۲ ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ج: ۴، ص: ۸۰

۱۳ ابن سلامہ، احمد بن محمد بن سلامہ، شرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۳۹۷، الناشر: قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۴ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، ج: ۱، ص: ۲۳، الناشر: دار ابن کثیر، دار العلم الطیب دمشق، بیروت، طبع ۱۴۱۴ھ

۱۵ دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، ص: ۳، مکتبہ دار الاشاعت کراچی

۱۶ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی، الاشباہ والنظائر، ج: ۱، ص: ۲۷۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ

۱۷ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ج: ۱، ص: ۳۹۴

۱۸ القرآن، البقرہ، الآیۃ: ۱۷۳ (فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ)

۱۹ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ج: ۱، ص: ۳۹۴

۲۰ ایضاً، ج: ۱، ص: ۲۷۶

۲۱ شیخ نظام وجماعۃ من العلماء، فتاویٰ الھندیۃ، ج:۴،ص:۳۸،مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

۲۲ طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، طحاوی شریف، ج:۲،ص:۳۴۹،مکتبہ حامد اینڈ کمپنی، اردو بازار لاہور

۲۳ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۶،ص:۳۰۱

۲۴ نووی، محمد بن راشد آل مکتوم، نووی علی مسلم، ج:۱،ص:۴۵۶، دار ابی حیان بیروت، طبع:۱۹۹۵ء

۲۵ ابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، ص:۳۸

۲۶ مرغینانی، برہان الدین، ابو الحسن علی بن ابی بکر، ہدایہ، ج:۴،ص:۴۴۲،مکتبہ رحمانیہ لاہور

۲۷ ایضاً

۲۸ محمد رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص:۳۲۲،مکتبہ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، جامع الملک سعود ریاض طبع ۱۹۸۵ء

۲۹ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۱،ص:۱۸۹

۳۰ شوکانی، محمد بن علی بن محمد المعروف بالشوکانی، فتح القدیر،، ج:۱،ص:۱۹۶، دار ابن کثیر، دار الکلم الطیب دمشق، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۱ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۱،ص:۳۲۶

۳۲ ایضاً، ج:۲،ص:۲۱۰

۳۳ ایضاً، ج:۳،ص:۳۴۲

۳۴ ایضاً، ج:۱،ص:۴۰۸

۳۵ عثمانی، مفتی محمد شفیع عثمانی، جواہر الفقہ، ج:۲،ص:۲۶،مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع ۲۰۱۰ء

۳۶ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۶،ص:۵۵، دار الفکر بیروت

۳۷ قرطبیؒ، ابو الولید محمد بن احمد رشد القرطبیؒ، بدایۃ المجتہد، ج:۲،ص:۱۱۸، طبع دار ابن حمزہ بیروت، لبنان

۳۸ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار،، ج:۴،ص:۵۵۶

۳۹ تھانوی، اشرف علی تھانوی، امداد الفتاویٰ، ج:۳،ص:۶،مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع ۱۴۲۲

۴۰ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۴،ص:۲۹۶

۴۱ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان، ملتقی الابحر مع مجمع الانہر، ج:۱،ص:۲۶، ناشر دار الکتب العلمیہ بیروت

۴۲ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۳،ص:۵۰۹،الناشر: دار الفکر-بیروت

۴۳ عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، اصول الافتاء وآدابہ،

۴۴ الزحیلی، وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:۷،ص:۳۶۶-۳۶۷، دار الفکر للطباعۃ والتوزیع والنشر بدمشق، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۵ھ

۴۵ ایضاً، ج:۷،ص:۳۶۶

۴۶ ایضاً، ج:۷،ص:۳۶۷-۳۶۸

۴۷ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۱،ص:۵۷۲

۴۸ الزحیلی، وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:۶،ص:۲۰۱-۲۰۲